وجوہِ شرفِ آدمؑ

از

(جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی ۔ لکچرر عربی و فارسی یونیورسٹی الہ آباد)

(۲)

(۱) صاحب جامع البیان "علم الاسماء" کے معنی لکھتے ہیں "خلق فی قلبہ علماء" اللہ نے ان کے دل میں ایک خاص علم لدنّی پیدا فرمایا۔

(۲) صاحب جلالین "الاسماء کلہا" کے تحت میں لکھتے ہیں "اسماء المسمیات کلہا حق القصعۃ والقصیعۃ والفسوۃ والفسیۃ والمعرفۃ" "تمام چیزوں کے نام یہاں تک بڑے پیالہ اور چھوٹی پیالی اور آواز ریح تک اور چمچہ تک کا نام" مطلب یہ کہ ہم کہاں تک ان کے نام گنائیں اشیاء غیر محدود ان کے نام بے انتہا"

چنانچہ جملہ علوم، جملہ مختلف زبانیں، جملہ معدنیات، جمادات، نباتات، حیوانات جو زمین پر یا زمین میں یا سمندر میں یا جو فضا میں یا آسمانوں میں ہیں سب کی ماہیت اور پہچان نام اور خواص ان کو بتائے۔

(۳) قاضی بیضاوی صـ۱۶ پر لکھتے ہیں:-

والمعنی انہ تعالی خلقہ من اجزاء مختلفۃ وقوی متباینۃ مستعدا لادراک انواع المدرکات من المعقولات والمحسوسات والمتخیلات والموہومات

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا مختلف اجزاء سے اور متضاد قوتوں سے اور جلد سمجھنے والا جو ہر قسم کی عقل حسی، خیالی، وہمی باتیں فوراً سمجھ جائے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو الہام سے تمامی اشیاء کی ذات، خاصیات، نام اور جملہ علوم کے اصول

وألهمه معرفة ذوات الاشياء وخواصها واسماءها واصول العلوم وقوانين الصناعات وكيفية آلاتها (بیضاوی ص۶۱)

اور تمام ہی ہنروں اور دستکاریوں کے قاعدے اور ان کے اوزاروں یا کل پرزوں کی کیفیت تعلیم فرمادی۔

اس کے متعلق مفسر تھانوی کی دو عبارتیں اور پڑھ لیجئے تو پیدا ہونے والے خلجانات دور ہو جائیں، مفسر مذکور بیان القرآن میں لکھتے ہیں :-

(الف) اگر یہاں کسی کو خلجان ہو کہ جس طرح آدمؑ کو تلقین فرما دینے سے ان کو وہ علمِ خاص اور صلاحیتِ خلافت حاصل ہوگئی اگر ملائکہ کو تعلیم فرما دیتے تو اُن کو بھی وہ علم اور اس کے ساتھ صلاحیتِ خلافت میسر ہو جاتی۔ سو آدم پر اس کا ظاہر کرنا اور فرشتوں سے پوشیدہ کرنا آدمؑ کو ترجیح دینے کے لئے کافی نہیں ہو سکتا . . . . (جواب) سو جس علم کی یہاں بحث ہے اس کے حصول کے لئے ایک استعدادِ خاص کی ضرورت ہے . . . . لذتِ جماع کے لئے استعدادِ رجولیت کی شرط ہے عنّین مادرزاد کو اس کی قدرت حاصل ہونا عادۃً ممتنع ہے سو اس علمِ خاص کی استعداد آدمی میں تو پیدا کی گئی اور ملائکہ میں نہیں، . . . . سو آدمؑ کی تعلیم کے وقت ملائکہ سے اس علم کے پوشیدہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس دعوی کی کوئی دلیل ہے جب اُن میں اس علم کی استعداد ہی نہیں تو اگر تعلیمِ آدم کے وقت اول سے آخر تک وہ حاضر بھی رہے تو اس کا ان کو حاصل ہونا کب ممکن ہے۔ / ج ا ص۲۰

(ب) اس گفتگو سے فرشتوں کو اپنے عاجز ہونے کا مشاہدہ ہو گیا اب حق سبحانہ کو منظور ہوا کہ آدم میں اس علمِ خاص کی قوت و مناسبت کا ہونا بھی ملائکہ عیاناً دیکھ لیں اس لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم بتلادو ان کو ان چیزوں کے اسماء مع حالات یعنی ان کے روبرو اس کا اظہار اور بیان کردو گو بوجہ مناسبت نہ ہونے کے اس کو نہ سمجھ سکیں، فائدہ یہ تو ہوا کہ ملائکہ اس قدر سمجھ گئے کہ آدمؑ ضرور اس علم کے ماہر ہو گئے (ج ا ص۲۱)

مفسرین نے اسماء کی جو تشریح و تفصیل کی اسے آپ مجملاً ہی سہی ملاحظہ فرما چکے۔ میرے ایک دوست نے اسی اسماء کی تشریح میں ایک عجیب بات کہی ہے وہ ایک غیر مطبوعہ نظم میں شیطان کی زبانی کہلاتے ہیں ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمایئے :-

حق نے تعلیم میں بتائی تھیں — خاصیت۔ نام۔ صورتِ اشیا
مَلک۔ آدم۔ بلیس کے بھی خواص — کُھلے دورانِ "عَلَّمَ الاَسْمَاءَ"
لانا تھا تجربہ میں فطری علم — اپنے نائب کو پختہ کرنا تھا
سب نے دکھلائی اپنی استعداد — جس میں جو مادہ تھا وہ اُبھرا
تھا کوئی خیرِ محض۔ میں شرِ محض — ادراک خیر و شر کا جامع تھا
ہر طرح کی عبادت اور نیکی — ہر فرشتہ مجھے سکھاتا تھا
میں ملائک کو دگو وہ بھکے نہیں — معصیت اور شر بتاتا تھا
میں خطا پر جما بھی اور اُس نے — ایک لغزش میں بول دی توبہ

[illegible] ابلیس - ایکسپرمنٹ کے [illegible]

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اسماء کلھا کہا تو آدم بھی ایک اسم ہے جو ایک مسمّٰی رکھتا ہے اور اس مسمّٰی کے کچھ جداگانہ خواص بھی ہیں اسی طرح مَلک اور ابلیس بھی اسما ہیں اور مسمیات رکھتے ہیں اور ان کے کچھ جداگانہ خواص بھی ہیں پس ابلیس کا سجدہ سے انکار، آدمؑ کی وہ لغزش مشہور (شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانا) وغیرہ دراصل تعلیم اسماء ہی کا ایک درس تھا اور آدم و ابلیس کی خاصیتوں کا عملی تجربہ و مشاہدہ کرانا تھا کیوں کہ القار (لکچرر) کے ساتھ ساتھ تجربہ (اکسپرنمینٹ) بھی تو ایک طریقۂ تعلیم ہے چونکہ اس کا علم اشد ضروری تھا اس لئے اس کو تجربہ کر کے دکھا دیا گیا اور اسی تجربہ میں ابلیس نے ملائکہ کو بھی کچھ سکھانا پڑھانا چاہا۔ تاکہ اس کی مقتضائے طبع اور اصل فطرت (اضلال اور گمراہ کرنا) ظاہر ہو سکے گو اس کی کوشش بے کار گئی۔ پس اگر اس شہرت کی کہ "ابلیس معلم الملکوت اور فرشتوں کا استاد تھا" کوئی معقول توجیہ ہو سکتی ہے تو وہ یہی اور صرف یہی ہو سکتی ہے۔ کہ اس نے فرشتوں کو بھی معصیتوں

کے گر۔ نافرمانیوں کے طریقے سکھانے چاہئے مگر ان کو ابلیس کا علم نہ آسکا ورنہ ابلیس تو معلم الملکوت یعنی فرشتوں کا شاگرد تھا اُن کا معلم اور استاد ہرگز ہرگز نہیں تھا۔ بہرحال کائنات کا یہ اجمالی علم حاصل ہونا۔ اشیا کی صورت پہچاننا۔ جذبات کی ماہیت و کیفیت سمجھنا۔ ان کے نام جاننا۔ ان کے خواص کا ادراک ہونا جیسا کچھ شرف ہے ظاہر ہے یہ چوتھی وجہ تھی شرف آدم و بنی آدم کی۔ وللہ الحمد۔

شرف پنجم۔ مسجودیت بار دوم

اس شرف پر شاید اکثر لوگ چونکیں اور چونکہ عام طور پر مشہور ایک بار کی مسجودیت (وہی خلقت آدمؑ کی بعد والی) ہے نیز اکثر تفاسیر مثل موضح القرآن صـ۷ و صـ۲۶۴ اور حقانی ج ۲ صـ۱۵۰ اور ج ۵ صـ۶ پر بھی ایک ہی بار کا سجدہ بتایا گیا ہے اس لئے ان کا چونکنا بھی کچھ بے جا نہیں ہے لیکن میں معتبر تفاسیر کی عبارتیں پیش کرتا ہوں۔ بیان القرآن میں ہے

۱۔ جب دلائل سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ صلاحیتِ خلافت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ آدمؑ میں سب مجتمع ہیں اور ملائکہ کو ان میں سے صرف بعض علوم حاصل ہیں اور جنوں کو تو بہت ہی کم حصہ ان علوم کا حاصل ہے . . . . اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ . . . . ان غیر کاملوں سے "اس کامل" (آدمؑ) کی کوئی ایسی تعظیم کرائی جائے کہ عملاً بھی یہ امر ظاہر ہو جائے کہ یہ ان دونوں سے کامل اور جامع ہیں جب تو یہ دونوں ان کی تعظیم کر رہے ہیں۔ . . . اس کے لئے جو عملِ تعظیمی تجویز فرمایا گیا اس کی حکایت ذکر فرماتے ہیں کہ "اور جس وقت ہم نے فرشتوں کو (اور جنوں کو بھی جیسا کہ روایات میں آیا ہے . . . . غرض اس سب کو) یہ حکم دیا کہ سجدہ میں گر جاؤ آدمؑ کے سامنے سو سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے کہ اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا اور ہو گیا کافروں میں سے (بیان القرآن ج ۱ صـ۲۱ و ۲۲)

۲۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ صاحبؒ صـ۲۷ پر فرماتے ہیں:۔

قلت لعلھم انما اُمروا بتعظیم آدم   میرے نزدیک ان کو آدمؑ کی تعظیم کرنے کا حکم اس

شکرالہ واداءً لحقہ فی التعلیم — لئے دیا گیا تھا کہ انھوں نے جو ملائکہ کو تعلیم دی تھی تو ان (استاد) کا شکریہ اور حق ادا ہو سکے۔

۳۔ قاضی بیضاوی ص۶۳ میں فرماتے ہیں :۔

لما انبأھم بالاسماء وعلّمھم ما لم یعلموا امرھم بالسجود لہ اعترافا بالفضلہ اداءً لحقہ اعتذارا لما قالوا فیہ وقیل امرھم بہ قبل ان یُسَوِّیَ خلقہ لقولہ فاذا سوّیتہ الخ امتحانا لھم واظہارا لفضلہ"

یعنی جب آدمؑ نے فرشتوں کو اسماء (خواص اشیا) کی اطلاع دی اور اُن کو وہ باتیں بتائیں جو وہ نہیں جانتے تھے تو اللہ نے ان کے آگے جھکنے کا حکم دیا کہ آدمؑ کے فضل کامل کا اعتراف اور اُن کے حق کی پوری ادائگی اور اپنی غلطی رائے کی معذرت ہو سکے اور بعض کا خیال ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو ان کی پیدائش سے قبل ہی سجدہ کا حکم دیا تھا کیوں کہ حکم تھا کہ جب میں اسے بنا چکوں اور اس میں جان ڈال چکوں تو تم سب سجدہ میں گر پڑنا اس حکم سے ملائکہ کو جانچنا اور آدمؑ کی فضیلت کا دکھانا منظور تھا انتہی۔

دیکھو قاضی بیضاوی نے اگرچہ دونوں قول نقل کر دئے ہیں مگر ترجیح اس قول کو دی ہے کہ تعلیم اسماء کے بعد بھی سجدہ کرایا گیا (یعنی سجدہ کا حکم دو بار ہوا اول پیدائش آدم کے بعد ہی، دوم تعلیم اسماء اور اعطائے خلافت کے بعد) چنانچہ اس قول کو ذکر میں مقدم کیا اور دوسرے قول کو (کہ سجدہ کا حکم ایک ہی بار ہوا) "قیل" کے لفظ سے بیان کیا جو تحریض کے لئے موضوع ہے اور اس کو ذکر میں موخر بھی کیا بہر حال تین معتبر تفاسیر سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت آدمؑ کو دوبارہ سجدہ کرایا گیا اور خلیفہ کی خلافت کو مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے دو بار منوایا گیا شاید اسی نکتہ کے باعث حضرت سیدنا علیؓ نے بھی سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی دو بار تصدیق کی اور دو بار بیعت کی اور خود سنتِ ملائکہ کی اتباع کر کے خلافت صدیقی کے منکر کے لئے "مقام شیطنت و ابلیسی" کو متعین فرمایا۔ یہاں دو باتیں اور عرض کر دوں :۔

اول یہ کہ اگر بفرض محال آسمان و زمین و پہاڑ میں سے کوئی مخلوق اس امانت کو قبول کرلیتا تو بقول مفسر تھانویؒ وہ اگر وہ اپنے ذمہ رکھ لیتے تو مثل انسان کے ان کو بھی عقل دی جاتی جو تفصیل احکام و مثنویات و عقوبات کے سمجھنے کے لئے موقوف علیہ ہے (بیان القرآن ج ۹ ص ۲)

دوسرے یہ کہ آدم کو تعلیم اسماء جو دی گئی وہ گو آدم کے قلب میں علم کو خلق یا القاء فرمادی گئی مگر اس کو تعلیم کے دو مروجہ طریقوں القاو تدریس (لکچر اور ٹیچنگ) کی اصل سمجھئے یعنی یہ اسی کی نقل ہیں پھر آدمؑ سے کہا گیا کہ فرشتوں کو اپنے ماہر علم ہونے کی اطلاع دینے کے لئے سارا کورس ان کے سامنے دہراؤ تو آج جو امتحانات لئے جاتے ہیں ان کی اصل خدا کے اس فعل کو سمجھئے پھر "الم اقل لکم" کا فرمانا گویا آدمؑ کی دستار فضیلت یا دھنا یا اعطائے سند (کانوکیشن) کی اصل تصور کیجئے پھر سجدہ کرانے کو منصب خلافت دے کر ان کی سلامی کا قایم مقام خیال فرمایئے۔ اور آدمؑ کی لغزش۔ ابلیس کا تمرد۔ ملائکہ کا بے چون و چرا انقیاد کو آدمؑ۔ ابلیس۔ ملائکہ کے اسماء خواص ہی کی تعلیم بذریعہ تجربہ و مشاہدہ مانئے اور پھر غور کیجئے کہ کس کس طرح اس انسان نے حدیث "خلق اللہ آدم علی صورتہٖ" کا صحیح ہونا اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ جائز اور معقول بات جو بھی یہ انسان دنیا میں کرتا ہے وہ اس لئے کرتا ہے کہ خدا نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور انسان اس کا پرتو ہونے کے باعث اس کی نقل کے سوا کچھ اور کر ہی نہیں سکتا کیوں کہ خدا نے آدمؑ کو اپنی صورت پر اور اپنا مظہر بنایا ہے تعمیری کام یہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ خدا کی نقل ہی میں کرتا ہے۔

شرف ششم۔ تلقین توبہ

یہ شرف بظاہر کوئی خاص شرف و فضل معلوم نہ ہوگا لیکن احقر کی تحریر دیکھنے کے بعد سمجھ میں آجائے گا کہ یہ کتنا بلند شرف ہے دوسرے شرفوں میں اگر انعام و تکریم کی شان ہے تو اس میں شفقت و رحمت کا پہلو نمایاں ہے۔

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب دشمن آدم۔ منکر خلافت ابلیس عزازیل جذبہ حسد و غضب

سے مغلوب ہو گیا اور اس نے آدمؑ معصوم کو دھوکہ دے کر جھوٹی قسمیں کھا کر گیہوں کھلا دیا۔ عام تخیل یہی ہے کہ آدمؑ معصوم بربنائے بشریت اور بمقتضائے کرمِ نفس وصفاءِ قلب اس کے فریب میں آ گئے۔ اس کا حکمہ نہ سمجھ سکے اس پر حق تعالیٰ ناخوش ہوئے اور ان سے حلۂ بہشتی چھین لیا گیا آخر آدمؑ و حواؑ کو ننگے جسم سے شرم خجالت اور معصیت سے ندامت ہوئی تو ڈر کر رونے لگے حق تعالیٰ نے باز پرس کی تو شرم سے بول نہ سکے تو حق تعالیٰ نے توبہ کے الفاظ سکھائے کہ کہو اے اللہ قصور ہو گیا معاف کیجئے ورنہ ہم بڑے خسارہ میں پڑ جائیں گے تو دونوں نے یہ کلمات سیکھ کر عرض کئے اس پر حق تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

واقعات فی الحقیقت ہوئے بھی یہی اور ان کے متعلق مذکورہ بالا تخیل غلط بھی نہیں ہے لیکن جی چاہتا ہے کہ انھیں واقعات کو جس طرح احقر سمجھا ہے اسے بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کر دے کہ سہ "عندلیب آشفتہ ترمی گوید ایں افسانہ را" اس دشمنِ انسان نے جب ان دونوں سے خدا کی قسم کھا کر بزور اور اہتمام سے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اس درخت کا پھل کھا لو تمہارا فائدہ اسی میں ہے تو انھوں نے خدا کا نام اور اس نام کی قسم سننے کے بعد اپنے سابق طرزِ عمل (احتیاط اور دانش پژوہی) پر جمے رہنے کو طریقِ محبت کے خلاف سمجھا۔ انھوں نے دوسرے پر سوءِ ظن کرنے کو اور خصوصاً خدا کے نام کا واسطہ دینے کے بعد بدگمانی کرنے کو شرافت اور کرم کے منافی جانا [خصوصاً اس صورت میں کہ وہ بھیس بدل کر آیا ہو (جیسا بعض کا خیال ہے)] ان کا اس موقع پر دھوکا کھا جانا بعید نہیں ہے بلکہ محبوب کے نام اور قسم کو سن کر اہلِ محبت اگر اپنے ہوش و حواس میں باقی رہ جائیں تو تعجب ہے۔ اصغر مرحوم نے ایک شعر میں اہلِ محبت کے ایسے ہی فطری جذبہ کی کیسی عمدہ مصوری کی ہے کہتے ہیں:۔

نام ان کا آ گیا کہیں ہنگامِ باز پرس ۔۔۔ ہم سمجھے کہ اڑ گئے صفِ محشر لئے ہوئے

نامِ محبوب سن کر قلب و دماغ میں جو "محشرِ جذبات" بپا ہو جاتا ہے اس وقت اپنے کسی عزم پر قائم رہ جانا بڑا مشکل ہے یہ مرحلہ محبت میں پیش آتا ہے۔ غرض ان کا جذبۂ عشق

تھا جس نے یہ فتویٰ دیا کہ اس نام پر قربان اور اس قسم اور واسطہ پر فدا ہو جاؤ کہ وقت ہے تو یہی اور موقع ہے تو اسی کا۔ رہ گیا نہی "لا تقربا" کی خلاف ورزی اور پند "عدو مبین" کی عدم پابندی تو یہ انجام بینی اور عاقبت اندیشی عقلِ گریز پا اور خردِ مصلحت اندیش کے لئے وجہ فضل ہو تو ہو عشق کے لئے تو باعثِ ننگ ہے ؎

گرچہ بدنامی است نزدِ عاقلاں   ما نمی خواہیم ننگ و نام را

اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے ؎

پختہ تر ہوتی ہے گر مصلحت اندیش ہو عقل   عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے دھڑک کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

محبوب کے نام پر جان دے دینا، عقل و ہوش کو کھو بیٹھنا، دین و ایمان کو خیر باد کہہ دینا وہ مقامِ بلند ہے جس پر سود و راندیشیاں قربان اور اس گنہ نہ کرنے کے جرم سے جرمِ عشق کی سزا بھگت لینا بدرجہا آسان ؎

چو بعد خاک شدن یا زیاں بود یا سود   بہ نقد خاک شوم بنگرم چہ خواہد بود (رومی)

محبت نے انھیں سمجھایا کہ اگر محبوب حقیقی اس پر باز پرس کر بیٹھے کہ کیوں جی دعوائے عشق تو اتنا لمبا چوڑا اور جب کسی نے ہمارے نام کا واسطہ دے کر تم سے کچھ کہا تو تم کو خودداری زیبا کہاں تھی؟ کیا یہی دعوائے محبت ہے تو اس کا میرے پاس کیا جواب ہوگا؟ اس لئے انھوں نے یہ بھی نہ سوچا ہوگا کہ جب ہم ان کے نام پر دین و ایمان قربان کر دیں گے تو کیا وہ اس کی قدر نہ کریں گے اس لئے لاؤ اس قدر و عزت افزائی کی امید پر یہ اقدام کر بیٹھو نہیں بلکہ وہ تو نام سنتے ہی بے خود ہو کر گیہوں کھا بیٹھے ہوں گے آہ یہ عشق کا وہ جذبہ ہے جس پر عقلیں قربان انسان وہ انسان کیا جس میں اُنس نہ ہو کہ ؎ اُنس سے اور آن سے ترکیب ہے انسان کی۔

پھر کیا عجب ہے کہ ارشاداتِ قرآنی (فنسی ولم نجد لہ عزما۔ فعصیٰ آدم ربہ فغویٰ) میں آدم کے اسی جذبۂ ولۂ عشق ہی کا بیان محبوبانہ انداز میں یہ بھی فرمادیا کہ آدمؑ ہماری نصیحت

بھول گئے۔ ہم نے اُن میں عزم نہ پایا۔ آدمؑ نے (ظاہر میں تو) خلاف ورزی کی اپنے رب کی اور (جذباتِ محبت کی طوفان میں) بہک گیا" ورنہ یہ اگر نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس کی فرد قرارداد جرم حسب ذیل جرائم سے پُر ہو کہ

۱۔ وہ بھولتا بہت ہے۔

۲۔ اس کے اندر عزم تو ہے ہی نہیں۔

۳۔ وہ معصیت کوش ہے۔

۴۔ وہ بہکتا ہے۔

اور یہ تو ایک دفعہ کا حال ہے اس کے قبل بھی اس کے نامۂ اعمال میں حسب ذیل ریمارک درج ہو چکے ہوں کہ :۔

۱۔ وہ عجول (جلد باز ہے)

۲۔ وہ ظلوم ہے۔

۳۔ وہ جہول ہے۔

۴۔ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ تو کیا ایسا ہی شخص تقرب کا سزاوار اور عنایت کا مستحق ہوتا ہے شاید آپ کہیں کہ یہ تقرب کا درجہ اس کی صفت توبہ وانابت و استغفار وندامت نے اسے دلایا تو میں یہ عرض کروں گا کہ وہ توبہ وانابت بھی تو خدا کی تلقین وشفقت وعنایت ہی سے ہوئی تھی کہ خود ہی ارشاد ہے

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ — آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات حاصل کئے تو خدا نے بھی اس پر عنایت فرمائی

پس اس سوال کا اگر کوئی حل ہے تو احقر کے نزدیک یہی کہ ان جرائم کا اظہار غصہ کے لب ولہجہ میں کیا ہی نہیں جا رہا ہے بلکہ محبت وشفقت کرم ورحمت کے انداز میں اور آدمؑ کے جذبہ کی قدر کرتے ہوئے برسبیلِ تذکرہ کیا جا رہا ہے فَنَسِیَ میں یہ فرما دیا کہ آدمؑ نے جو ہماری

نصیحت (إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ) بھلادی تو جوش عشق میں بھلائی اس لئے ہم اس کی قدر بھی کرتے ہیں اور "وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا" میں یوں اظہار خیال کیا کہ آدمؑ کے اندر وہ عزم جو اہل عقل کے اندر ہونا چاہیے اور جو دنیا میں زندہ رہنے کے لئے (بظاہر) ضروری ہے جذبۂ عشق اور درد دل کے غلبہ کے باعث گویا ہے ہی نہیں "فَنَسِيَ" کہنے سے یہ مقصود ہے کہ (ضابطہ سے تو) یہ ہمارے ایک حکم کی نافرمانی ہی ہے [اب یہ دوسری بات ہے کہ ہم آدمؑ کے جذبۂ عشق کی قدر کرکے اور اس کی بے نفسی اور بے خودی پر نظر کرکے اسے نظرانداز کردیں] "فغوی" میں یہ فرمارہے ہیں کہ وہ نشہ عشق میں بہکے اور بھٹکے جو عشق کے لئے حسن ہے مگر بااصول اور ہوشمندانہ زندگی کے لئے یقیناً قبیح ہے۔

یہ ایک تاویل ہے ممکن ہے کہ یہ تاویل بعض حلقوں میں پسند نہ کی جائے لیکن بادب عرض ہے کہ اگر یہ تاویل کسی نص صریح کے معارض و مزاحم ہو تو بے شک رد کردینے کے قابل ہے ورنہ ایسی تاویل (کلمات قرآن کو محبوبانہ انداز تکلم پر محمول) کرنے کی رسم تو اوروں سے بھی ثابت ہے

ع این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

۱۔ خود مفسر حقانیؒ نے "إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا" کے متعلق اپنی رائے اسی طرز خطاب کی بتائی ہے لکھتے ہیں ..... اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے بار گراں کا اٹھانا اور اس بلا و محنت کو گلے میں ڈالنا دانشمند اور دوراندیش سے کب ہوسکتا ہے یہ ایسے ہی لوگوں کا کام ہے جو اپنی جان پر مصیبت گوارا کرلیں اور دوراندیشی نہ کریں ؎

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں ما نمی خواہیم ننگ و نام را

۲۔ اور لفظ "فغوی" کے بارہ میں مفسر تھانویؒ بھی صرف یہ معنی لیتے ہیں کہ "سو (تحصیل مقصود خلد کے باب میں) غلطی میں پڑ گئے" یعنی گمراہ ہوجانا وہ بھی نہیں مانتے چنانچہ یہی ہوا کہ ان کی لغزش (اور وہ لغزش بھی کیسی کہ ممانعت و نہی کی خلاف ورزی) ان کی تو تربیت و اصلاح فرمائی گئی اور اس عدوئے آدمؑ کی لغزش پر (جو "امر" کی خلاف ورزی تھی) اسے

رحمت سے دور کر دیا گیا اور فی الحقیقت عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اس عدوئے آدمؑ کی خلاف ورزیِ حکم چونکہ اپنی نفس کی محبت میں تھی اس لئے اُسے مردود و ملعون ہی بننا چاہئے تھا اور آدمؑ معصوم کی خلاف ورزی بھی چونکہ خدا کی محبت میں تھی اس لئے انہیں مقبول و مرحوم ہی ہونا چاہئے تھا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ آدمؑ بے خودیِ عشق میں ابلیس کا کہنا ماننے کو تو مان گئے مگر ہوش آنے پر یہ خیال ستانے لگا کہ اب کہیں اس کی باز پُرس نہ ہونے لگے کہ ہماری نصیحت "عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ" اور ہدایت "لَا تَقْرَبَا" کے خلاف تم نے کیا کیوں؟ تو میں کیا کروں گا یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ندا آئی اے آدمؑ و حواؑ تم دونوں نے کیوں اس درخت کا پھل کھایا جس کے قریب جانے سے بھی میں نے تم کو منع کر دیا تھا بظاہر تو انھیں اس کے جواب میں صاف اور بے دھڑک کہہ دینا چاہئے تھا کہ "میں آپ کا واسطہ اور پیارا نام سُن کر ہوش میں نہ رہ گیا تھا" مگر غور کیجئے یہ جواب تو گویا محبوب پر احسان جتانا ہوتا اور یہ چیز آدابِ عشق کے خلاف اور رفعتِ عشق سے بہت پست ہو جاتی اس لئے حضرت آدمؑ نے پھر وہ اندازِ جواب اختیار کیا جو قیامت تک عشاقِ کے لئے مشعلِ راہ۔ اہلِ محبت کے لئے درسِ ادب ہے اور جمیع عشاق پر ان کا احسان ہے سہ

خارہا از اثر گرمی رفتارم سوخت   منتے بر قدم راہرواں نیست مرا

(غالبؔ)

آپ نے سر جھکا کر اشک بہا کر دل کو مسل کر اور غرور کو کچل کر عرض کیا "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا الخ" اے ہمارے پروردگار ہمیں اقرار ہے کہ آپ کی حکم کی نافرمانی ہو گئی اس کا گناہ گار میں ہوں اور ضرور ہوں اب اگر آپ ہمیں معاف نہ کر دیں اور ہم پر دوبارہ رحم نہ فرمائیں تو ہم بڑے خسارہ میں پڑ جائیں گے ع یک بار بفرمائی کہ اے ہیچ کس ما

چنانچہ اس کو قدر سے دیکھا گیا اور "فَتَابَ عَلَيْهِ" کے مژدہ رحمت سے نوازا گیا۔ محبوب

عہ یہ واقعہ جنت میں ہوا تھا لہذا توبہ اور اس کی مقبولیت بھی وہیں ہوئی تھی اس کے بعد جو روایات میں آدمؑ کا دنیا میں آنے کے بعد بھی روتے رہنا اور استغفار کرتے رہنا ثابت ہے تو وہ محض یادِ معصیت سے تھا اور اہلِ تصوف میں یہ سنتِ آدمؑ آج تک جاری ہے کہ ایک خطا پر تیس تیس برس تک روتے رہتے حالانکہ وہ پہلے ہی توبہ میں معاف ہو چکی ہوتی ہے۔

کا قرب اور کرم کا یہ کرشمہ جو انھیں نصیب ہوا تو آدابِ عشق کا لحاظ رکھنے سے نصیب ہوا تھا۔

عارفِ شیرازؒ نے آدم معصوم کی اسی رعایتِ آداب ہی کا ذکر اس شعر میں کیا ہے سہ

گناہ گرچہ نہ بود اختیارِ ما حافظ　　تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من است

بہر حال شرفِ آدمؑ کی یہ وجہ اگرچہ طویل ہو گئی [اور اس کی طول کی معذرت خود اس کی حکایتِ لذیذ اور حدیثِ عشق ہونا ہے] مگر میرے نزدیک یہ وجہ ان کے جملہ وجوہِ شرف میں سب سے بڑھ کر تھی۔

شرفِ ہفتم۔ میثاق الست

ساتویں وجہِ شرف جو ہمارے اور آپ کے جدِ امجد آدم معصوم پر پیش گاہِ احدیت جل جلالہٗ سے حاصل ہوئی جس کے باعث پوری بنی نوعِ آدم کائنات کے مقابلہ میں مشرف و ممتاز ہوئی، وہ یہ ہے کہ ان سے اس کے بعد ایک میثاق اور معاہدہ بھی لیا گیا۔

۱۔ حضرت مولانا تھانویؒ آیت "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے ماقبل سے ربط میں تحریر فرماتے ہیں "آگے میثاقِ عالمِ ارواح کا بیان فرماتے ہیں جس سے بڑا مقصود مسئلہ توحید کا اثبات ہے "وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ الخ" یعنی (ان سے اس وقت کا واقعہ ذکر کیجئے) جب کہ آپ کے رب نے (عالمِ ارواح میں آدمؑ کی پشت سے تو خود ان کی اولاد کو) اور اولادِ آدم کی پشت سے اُن کی اولاد کو نکالا اور (ان کو سمجھ عطا کر کے) ان سے انھیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے اس عقلِ خداداد سے حقیقتِ امر سمجھ کر جواب دیا کیوں نہیں (بیان القرآن ج ۴ صفحہ ۵)

۲۔ جلالین میں ہے:۔

اخرج بعضہم من صلب بعض	بعض کو بعض کی صلب سے اور (اخیر میں) آدمؑ کی
من صلب ادم نسلا بعد	صلب سے نسلاً بعد نسل اسی ترتیب سے جیونٹی

نسل کنحو مایتوالدون کالذر بنعمان یوم عرفۃ ونصب لھم دلائل علی ربوبیۃ ورکب فیھم عقلا واشھدھم علی انفسھم

کی شکل میں نکالا جس ترتیب سے وہ دنیا میں پیدا ہوں گے اور یہ کام وادی نعمان میں (جبل عرفات کے قریب مکہ سے ۱۰-۱۲ میل کے فاصلہ پر) عرفہ (حج) کے دن کیا اور ان کے سامنے اپنی ربوبیت کے دلائل قائم اور پیش کئے اور ان (چیونٹیوں، میں) عقل بھی رکھ دی اور ان سے خود انھیں کے متعلق گواہی حاصل کی۔

عبارت مذکورہ پر ایک حاشیہ ہے اس میں ایک ضعیف قول یہ لکھا ہے کہ "قیل فی الجنۃ .... والصحیح ماذکرہ المصنف کما ھو المنصوص فی حدیث رواہ احمد عن ابن عباس مرفوعًا یعنی بعض کہتے ہیں کہ یہ میثاق جنت میں لیا گیا ہے .... لیکن صحیح مصنف ہی کا قول ہے کہ مسند احمد میں ابن عباس کی ایک حدیث سے یہی نص ہے۔

بہرحال اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ حق تعالیٰ نے تمام انسانوں کو جنت میں (یا دنیا میں بھیجنے کے بعد) ایک باریک جا پیدا فرما کر سب سے اپنی وحدانیت اور ربوبیت کا اقرار لیا۔ پس عرضِ امانت اور اخذِ میثاق میں فرق یہ ہوا کہ پہلے تو مجموعی طور پر جملہ حقوقِ نفس، حقوق العباد، حقوق اللہ غرض جمیع احکام کے ماننے کا میثاق لیا گیا یہ میثاق عرضِ امانت کے نام سے مشہور ہے پھر جب دنیا میں آنے کا وقت قریب آلگا (یا جب آدمؑ دنیا میں اتارہی دیئے گئے) تو مزید یاددہانی کی یا تجدید معاہدہ کی نظر سے پھر دوسرا میثاق لیا گیا مگر یہ میثاق صرف مسئلہ توحید (یعنی بہ الفاظ دیگر) حقوق اللہ کا ہی لیا گیا یہ "میثاق الست" کہلاتا ہے میثاق الست میں جملہ احکام کے نہ رکھنے کا راز جو احقر سمجھ سکا ہے یہ ہے:-

۱- حقوق العباد ہوں یا حقوق النفس غور کیجئے تو یہ بھی دراصل حقوق اللہ ہیں کیونکہ نفس کے یا ساری مخلوقات کے حقوق آخر انسان پر کس نے عائد کئے اور کون اُن کے ادا و وفا

پر انعام اور عدمِ وفا پر الزام وایلام دے گا؟ ظاہر ہے کہ وہ خدا ہی ہے پس گو بظاہر اس کا نام وعنوان جداگانہ ہے ورنہ یہ سب حقوق اللہ ہی ہیں پس مسئلہ توحید کا میثاق دراصل اپنی وسعتِ معنوی کے لحاظ سے جملہ احکام کو شامل ہے۔

۲۔ صرف حقوق اللہ کی یاددہانی دراصل جملہ حقوق وفرائض کی انجام دہی میں مُعِین بھی بہت ہے کیوں کہ حقوق النفس ادا کرنے پر تو خیر ہر انسان طبعاً مجبور ہے رہے حقوق العباد تو ان کے ادا نہ ہونے کی وجہ ہی یہ ہے کہ انسان خدا کو سزا وجزا کو (یعنی مسئلہ توحید کو اور مسئلہ معاد کو) بھول جاتا ہے اس لئے حقوق ادا نہیں کرتا اور چونکہ ان دونوں میں بھی مسئلہ توحید اصل ہے جسے بھول کر انسان پہلے اتباعِ ھوی پھر ظلم و بدعت پھر شرک پھر کفر کرتا ہے اس لئے انسان کو صرف توحید کا سبق میثاق الست میں مستقلاً جداگانہ دیا گیا ہے۔

بہرحال یہ ساتویں وجہ تھی شرفِ آدمؑ کی جس نے آدمؑ کو (اور ان کے طفیل میں سارے بنی نوع آدم کو) ساری کائنات کے مقابلہ میں ممتاز و مشرف، معزز و مفتخر، مکرم و محترم بنا دیا۔ اس کے بعد اگرچہ دنیا میں آنے کے بعد سیدنا آدمؑ کو خلعتِ نبوت سے بھی سرفراز کیا گیا پھر ان سے نسلِ انسانی چلی اور اس اعتبار سے ان کو ابوالبشر ہونے کا شرف ملا پھر اخلاق وعقائد، تمدن؎ و تدین کا سنگ بنیاد انھیں نے رکھا وغیرہ وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک وجہ شرف بھی ہے مگر وہ سیدنا آدمؑ کا شرف شخصی و ذاتی ہے اور اس لئے ما نحن فیہ کی حدود سے خارج ہے ہمارا موضوع تو آدمؑ اور بنی آدم کا نوعی امتیاز و شرف ہے۔

" اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَرَّمَ بَنِیْ اٰدَمَ "

؎ اس پر احقر کا ایک جداگانہ مضمون " تمدن وانسانیت کی صبح " کے نام سے ہے۔

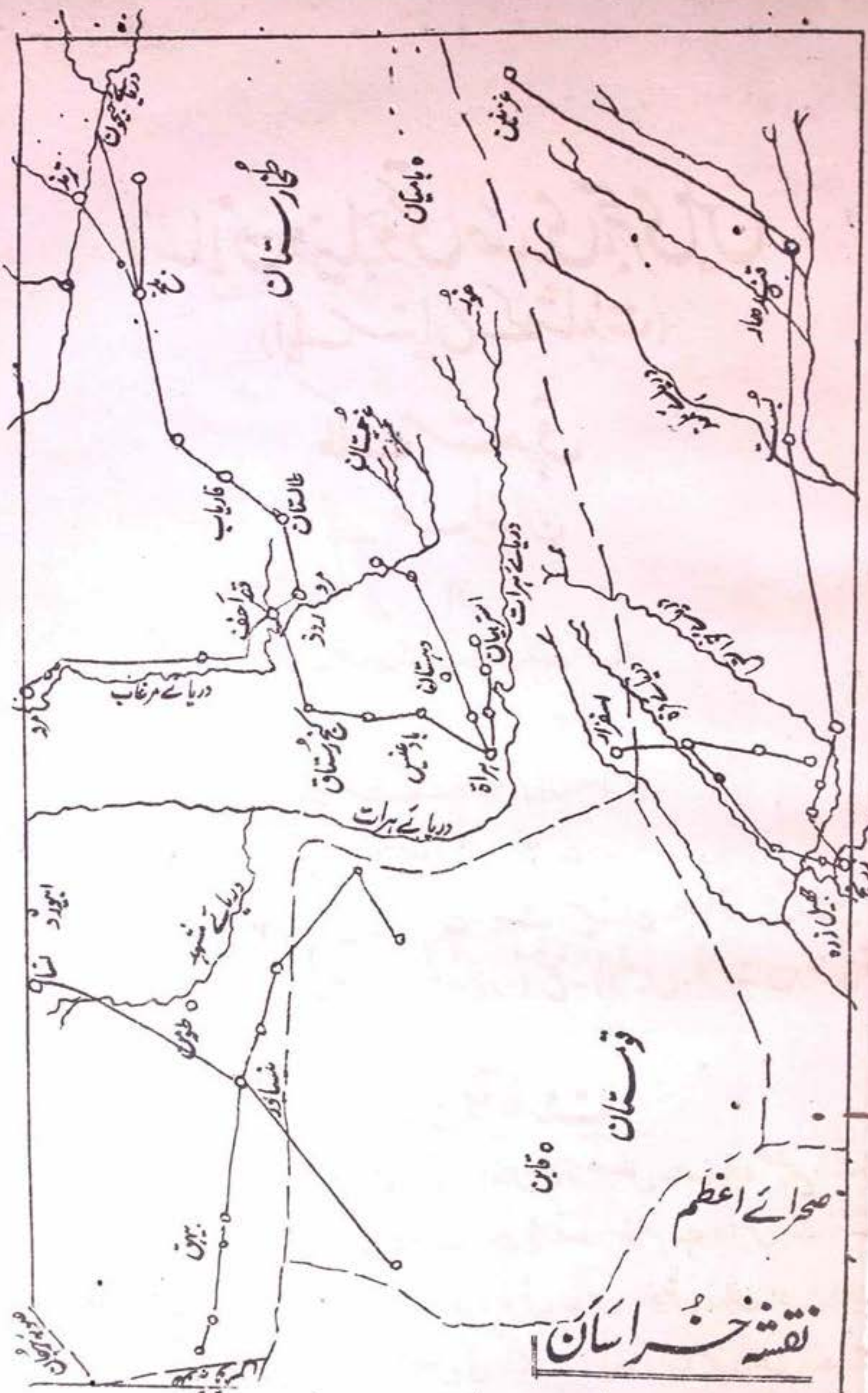

(یہ نقشہ ، استرینج کی کتاب ممالک خلافت شرقیہ سے ماخوذ ہے)